مولانا محمد شہاب الدین ندوی بنگلور، انڈیا

طلاق ثلثہ پر ایک تحقیقی نظر

احادیث اور اجماع صحابہؓ کی روشنی میں

حضرت عمرؓ پر ایک غلط الزام

آج کل ایک بار پھر تین طلاقوں کی بحث چل پڑی ہے۔ ایک طرف تو سیاسی اعتبار سے مسلمانوں پر دباؤ الا جا رہا ہے اور بعض فرقہ پرست ہندو تنظیمیں حکومت سے یہ مطالبہ کر رہی ہیں کہ وہ بیک وقت دی جانے الی تین طلاقوں کو ممنوع قرار دے۔ تو دوسری طرف بعض نام نہاد مسلمان جو اپنے آپ کو روشن خیال ہتے ہیں وہ بھی ان فسطائی عناصر کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ پوری اسلامی شریعت کو ل کر رکھ دیا جائے۔ ایسے نازک موقعہ پر تمام اسلام پسندوں کا فرض تھا کہ اپنے آپس کے اختلافات بھلا ایک جسد واحد کی طرح تحفظ شریعت کی راہ میں کام کرتے۔ مگر بعض مسلمانوں کو خواہ مخواہ اختلاف کرنے کی یا ایک عادت سی بن گئی ہے۔

چنانچہ راقم الحروف کی کتاب "سپریم کورٹ کا فیصلہ" شائع ہوئی (جس میں ضمناً تین طلاق والے مسئلے بھی تھوڑی سی روشنی ڈالی گئی ہے) تو مدراس کے ایک "غیر مقلد" صاحب نے جھٹ سے ایک سلہ تحریر کر کے اس مسئلے کے اختلافی مسائل چھیڑ دئے۔ اور راقم سطور سے جواب طلب کیا۔ عدیم الفرصتی باعث میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ (اور اس لئے بھی کہ یہ مسئلہ بہت تفصیل طلب تھا) تو موصوف کچھ دنوں کے بعد پتہ نہیں کیا سمجھ کر پھر ایک مراسلہ ذرا سخت انداز میں تحریر کرتے ہوئے "مقلدین" پر شروع کر دئے۔ تو مجھ سے رہا نہ گیا لہذا چاروناچار یہ مضمون سپرد قلم کرنا پڑا۔ یہ محض ایک تمہید ہے راقم نے ارادہ کر لیا ہے کہ اس موضوع پر ایک پوری کتاب ہی لکھی جائے۔ تاکہ اس مسئلے کے تمام پہلو ضح ہو جائیں۔ یہ بحث موجودہ سیاسی حالات میں بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ آج ملکی ح پر پورے زور شور سے اٹھایا جا رہا ہے۔ کیونکہ اسلامی شریعت میں یہی ایک ایسا مسئلہ ہے جو آج ارے ہندوستان والوں کو سر فہرست نظر آ رہا ہے۔ اور جسے بدلنے کے لئے وہ ایڑی چوٹی کا زور ار رہے ہیں۔ اور بعض لوگوں نے اسے حضرت عمرؓ کی ایجاد بنا کر معاملے کو اور زیادہ سنگین بنا دیا ہے

حالاں کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کو تین قرار دینے کا ضابطہ تو دورِ رسالت ہی سے جاری رہا ہے صرف ایک شاذ حدیث کی وجہ سے معاملہ مشتبہ نظر آتا ہے۔ مگر بیسیوں حدیثوں کے مقابلے میں ایک حدیث کو کوئی اہمیت نہیں دی جاسکتی۔ بہرحال اس مضمون میں پہلے وہ حدیثیں بیان کی جاتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے دور میں تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیا جاتا تھا۔ پھر اس کے بعد اس اختلافی حدیث پر کلام کرتے ہوئے حضرت عمرؓ پر کئے جانے غلط اور غیر واقعی الزام کا جواب دیا جائے گا۔

تین طلاق کا حکم بخاری، موطا امام مالک۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ طحاوی۔ ابن حبان حاکم۔ دارقطنی۔ بیہقی۔ مصنف عبدالرزاق۔ سنن سعید بن منصور۔ مسند شافعی۔ طبرانی اور مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ حدیثوں کی کتابوں میں بیسیوں حدیثیں بیک وقت یا ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقوں نیز "طلاق البتہ" (طلاق قطعی) کے بارے میں مروی ہے۔ کہ وہ واقع ہو جاتی ہیں۔ یہ الگ بحث ہے کہ ایسا کرنا گناہ ہے یا نہیں۔ مگر جہاں تک ان کے وقوع یا ثبوت کا تعلق ہے تو اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا چنانچہ اس موضوع پر چند حدیثیں نمبروار بیان کی جاتی ہیں۔

پہلی حدیث۔ سنن نسائی میں محمود بن لبید سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ تو آپ غضب ناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ کیا کتاب اللہ کے ساتھ کھیلا جائے گا جب کہ میں تمہارے سامنے موجود ہوں ؟

اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ یہ تینوں طلاقیں واقع ہو گئیں۔ ظاہر ہے کہ اگر آپ کے دور میں تین طلاقوں کو ایک وار قرار دینے کا رواج ہوتا (جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ آپ کے اور حضرت ابوبکرؓ صدیق کے دور میں یہی رواج تھا) تو پھر آپ یوں فرماتے کہ چلو کوئی مضائقہ نہیں۔ تین سے مراد ایک ہی ہو گی۔ مگر یہاں تو آپ غضب ناک ہو کر اپنی شدید ناراضگی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ اگر یہ تینوں طلاقیں واقع نہ ہو جاتیں تو پھر آپ ناراض کیوں ہوئے ؟ ظاہر ہے کہ یہاں پر ناراضگی کا سبب تین طلاقوں کے وقوع کو غلط قرار دینا نہیں بلکہ سنت طریقے کی خلاف ورزی دکھانا ہے۔

دوسری حدیث۔ تین طلاقوں کو ایک قرار دینے والوں کی ایک دلیل " حدیث رکانہ " بھی ہے۔ مگر اس میں کافی کلام کیا گیا ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاق نہیں بلکہ " طلاق البتہ " (قطعی) دی تھی۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قسم دے کر پوچھا کہ طلاق البتہ (یا طلاق بتہ) سے ان کی نیت کیا تھی ؟ آیا تین یا ایک کی ؟ جب انہوں نے جواباً کہا کہ اس سے میری

نیت صرف ایک کی تھی۔ تو آپ نے اس کو ایک قرار دیا۔ ورنہ اگر وہ کہتے کہ تین کی نیت تھی تو آپ اس کو تین ہی قرار دیتے۔ دیکھئے یہ حدیث ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ اور حاکم میں کس طرح مذکور ہے۔

رُکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ (قطعی طلاق) دی تھی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ نے پوچھا کہ تم نے اس سے کیا ارادہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ایک کا۔ آپ نے قسم دے کر پوچھا کہا اس سے صرف ایک ہی کی نیت تھی؟ تو انہوں نے قسم دے کر کہا کہ ہاں اس سے صرف ایک ہی کی نیت کی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ تو یہ بات تمہاری نیت کے مطابق ہے۔ پھر آپ نے ان کی بیوی کو ان پر لوٹا دیا۔ (تفسیر درمنثور۔ ۱/ ۲۷۹)

اب دیکھئے۔ اگر یہاں پر تین طلاقیں بیک وقت واقع نہ ہوسکتیں تو پھر اس طرح تفصیل دریافت کرنے اور قسم کھلانے کی کیا ضرورت تھی؟ تو اس سے معلوم ہوا کہ طلاق قطعی میں اگر تین کی نیت کی جائے تو تینوں بیک وقت واقع ہوجاتی ہیں۔

نوٹ:۔ "طلاق البتہ" یا "طلاق بتہ" کا مفہوم ہے قطع کرنے یا کاٹنے والی طلاق۔ اہل عرب تاکید کے طور پر اس قسم کی طلاق دیا کرتے تھے تاکہ بات پکی ہوجائے۔ نیز یہ بھی واضح رہے کہ طلاق بتہ میں صحابہ کرام کا اختلاف تھا۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک اس سے ایک طلاق پڑتی ہے۔ اور حضرت علی کے نزدیک تین۔ امام مالک اس مسئلے میں حضرت علیؓ کے پیرو ہیں۔ احناف کے نزدیک اس میں نیت کو دیکھا جائے گا اگر ایک کی نیت ہے تو ایک طلاق (بائن) ہوگی۔ اور اگر تین کی نیت ہے تو تین ہوں گی جب کہ امام شافعی کے نزدیک یہ طلاق بائن نہیں رجعی ہوگی (دیکھئے ترمذی: ۲/ ۳۲۲ مطبوعہ بیروت)

تیسری حدیث۔ دارقطنی اور ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں (ایک) طلاق دی تھی۔ پھر وہ بعد دو حیضوں میں مزید دو طلاقیں دینے کا ارادہ رکھتے تھے۔ مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا اے ابن عمر! اللہ نے طلاق اس طرح دینے کا حکم نہیں دیا ہے۔ تم نے سنت طریقے میں غلطی کی ہے۔ سنت طریقہ یہ ہے کہ تم طہر (عورت کی پاکی کی حالت) کا انتظار کرو۔ پھر ہر طہر میں (ایک ایک) طلاق دو۔

چنانچہ آپ کے حکم کے مطابق میں نے رجوع کر لیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جب وہ پاک ہوجائے تو اس وقت طلاق دو۔ یا اسے روکے رکھو۔ تب میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! ذرا بتائیے تو سہی اگر میں اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیتا تو کیا میرے لئے اس کو لوٹا لینا حلال ہوتا؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ بلکہ وہ اس صورت میں بائن (جدا) ہوجاتی۔ اور گناہ ہوتا۔ (تفسیر مظہری: ۱/ ۳۰۱)

چوتھی حدیث - امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے " باب من اجاز الطلاق الثلاث" یعنی "تین طلاقوں کے وقوع کو جنہوں نے صحیح قرار دیا ہے اس کا بیان " اور امام بخاری نے یہ بات قرآنی آیت " الطلاق مرتان " (طلاق دو بار ہے) کے تحت لایا ہے - اور اس کی شرح میں مشہور شارح بخاری حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ لغت اور شرع کی رو سے ان کے بیک وقت یا متفرق طور پر دے جانے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (فتح الباری : ۹/ ۳۶۵ مطبوعہ ریاض)

غرض امام بخاری نے اس باب میں دو حدیثیں نقل کی ہیں جن میں ایک عُویمر عجلانی کی لعان والی ہے اس حدیث کے مطابق ایک صحابی عُویمر عجلانی نے اپنی بیوی پر تہمت لگائی تو قرآنی فیصلے (جیساکہ سورۂ نور میں ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو ایک دوسرے پر لعنت کرنے کا حکم دیا۔ جب میاں بیوی اس سے فارغ ہوئے تو عویمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کرنے سے پہلے ہی اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی (بخاری کتاب الطلاق)

اس حدیث سے صاف طور پر دورِ رسالت میں بیک وقت تین طلاقوں کے وقوع کا ثبوت ملتا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عویمر کو اس کے اس فعل پر ٹوکا نہیں بلکہ خاموشی اختیار کر لی۔ لہذا معلوم ہوا کہ بیک وقت تین طلاقیں ہو سکتی ہیں - اور امام بخاری نے یہی ثابت کرنے کے لئے اس حدیث کو اس باب میں نقل کیا ہے۔

پانچویں حدیث - بخاری کی دوسری حدیث طلاق البتہ (یا بتہ) والی ہے جس کے مطابق تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، جب کہ نیت تین طلاقوں کی ہو (حنفی مسلک کے مطابق) حدیث ملاحظہ ہو۔

حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ رفاعہ قُرظی کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگیں کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) رفاعہ نے مجھے طلاق بَتّہ دی تھی تو میں نے بعد میں عبدالرحمٰن بن زبیر سے نکاح کر لیا۔ مگر اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کپڑے کے پھندنے کی طرح ہے (یعنی وہ نامرد ہیں)

آپؐ نے فرمایا کہ شاید تم پھر سے رفاعہ کے پاس لوٹنا چاہتی ہو۔ مگر یہ بات اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ عبدالرحمٰن تیری مٹھاس اور تو اس کی مٹھاس چکھ نہ لے۔" (بخاری)

چھٹی حدیث - ابن ماجہ میں ایک باب صراحتہً اس مضمون کا ملتا ہے۔ "باب من طلق ثلاثاً فی مجلس واحد" یعنی جس نے ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے ڈالیں اس کا بیان" اس بیان کے تحت فاطمہ بنت قیس کی حدیث مذکور ہے۔ کہ اُن کے شوہر نے یمن کو جاتے وقت انہیں تین طلاق دے دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نافذ کر دیا۔ (ابن ماجہ ابواب الطلاق)

یہ حدیث کسی بھی قسم کی تشریح مزید سے بے نیاز دکھائی دیتی ہے ۔

ساتویں حدیث ۔ مؤطا امام مالک (جو بہت سے اہلِ علم کے نزدیک بخاری اور مسلم کے درجے کی کتاب ہے۔) میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ بن عباس رض سے پوچھا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک سو طلاقیں دی ہیں تو آپ اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

آپ نے کہا کہ تیری تین طلاقیں تو تیری عورت پر واقع ہوگئیں ۔ اور بقیہ ۹۷ کے ذریعہ تو نے اللہ کی آیات کو مذاق بنایا ہے (مؤطا: ۲/۹، مطبوعہ بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ بیک وقت چاہے جتنی بھی طلاقیں دے دی جائیں اعتبار صرف تین ہی کا رہتا ہے اور باقی لغو قرار پاتی ہیں ۔ کیونکہ کوئی بھی مرد صرف تین ہی طلاق دے سکتا ہے ۔ اس سے زیادہ دینا اس کے اختیار میں نہیں ہے ۔

آٹھویں حدیث ۔ مؤطا کی ایک اور حدیث کے مطابق ایک شخص حضرت عبداللہ بن مسعود رض کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو آٹھ طلاقیں دے دی ہیں (تو اس بارے میں کیا حکم ہے ؟) آپ نے پوچھا کہ (اس مسئلے میں اہلِ علم) لوگوں نے تجھ سے کیا کہا ہے ؟ وہ بولا ۔ کہ مجھ سے کہا گیا ہے کہ تمہاری بیوی تم سے بائن (جدا) ہوگئی ۔ آپ نے فرمایا کہ انہوں نے سچ کہا ہے (مؤطا: ۲/۷۹)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دورِ صحابہ میں بیک وقت ایک سے زیادہ طلاق دینے کی صورت میں وہ تمام لوگوں کے نزدیک واقع ہوجاتی تھیں ۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں تھا ۔

نویں حدیث ۔ اسی مؤطا میں امام مالک سے مروی ہے کہ مروان طلاق بتہ میں تین طلاق کا حکم کرتا تھا ۔ امام مالک نے فرمایا کہ یہ میری پسندیدہ روایت ہے (مؤطا: ۲/۸۰)

مروان مدینہ منورہ کا حاکم تھا جو علماء کے سامنے اس قسم کے شرعی فیصلے کرتا تھا ۔ اس وجہ سے امام مالک نے ان سے استدلال کیا ہے ۔ اور اوپر گذر چکا ہے کہ طلاق بتہ کے مسئلے میں امام مالک حضرت علی رض کے مسلک کے پیرو ہیں ۔ یہی مسلک مدینہ منورہ میں رائج تھا ۔ اور اسی کے مطابق امام مالک اور ان کے پیرو عمل کرتے تھے ۔

دسویں حدیث ۔ طحاوی میں مروی ہے کہ ایک شخص نے ابن عباس رض سے کہا کہ اس نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں ۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری بیوی تجھ سے جدا ہوگئی ۔ کیونکہ تو اللہ سے نہیں ڈرا ۔ تاکہ وہ تیرے لئے راستہ بناتا (ایک طلاق دینے کی صورت میں راستہ باقی رہتا ہے ۔ اور تین طلاق دینے کی صورت میں وہ بند ہوجاتا ہے) جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے

راستہ نکالتا ہے (جیسا کہ سورۂ طلاق میں مذکور ہے) (شرح معانی الآثار از طحاوی ۲/۳۷)

گیارھویں حدیث - ابو داؤد میں مجاہد سے مروی ہے کہ ایک شخص ابن عباس کے پاس آیا اور کہا کہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں (اس پر آپ کیا فرماتے ہیں؟) ابن عباس کچھ دیر کے لئے خاموش رہے تو میں نے گمان کیا کہ آپ مطلقہ کو اس پر لوٹا دیں گے (مگر) آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص حماقت کر بیٹھتا ہے اور پھر وہ کہنے (چیخنے) لگتا ہے کہ اے ابن عباس اے ابن عباس (مجھے بچاؤ) تو اچھی طرح سن لو کہ اللہ تعالیٰ نے (سورۂ طلاق میں) فرمایا ہے کہ جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے لئے راستہ نکالے گا (بشرطیکہ صرف ایک طلاق دی جائے) مگر تم اللہ سے نہیں ڈرے (بلکہ تین طلاقیں دے دیں) تو میں تمہارے بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں پاتا - تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی - اور تمہاری بیوی تم سے جدا ہو گئی۔ (ابو داؤد - کتاب الطلاق)

یہ حدیثیں اپنے معانی و مطالب میں نہ صرف بہت واضح ہیں بلکہ وہ سورۂ طلاق کی بعض آیات کی تفسیر بھی کر رہی ہیں کہ سنت طریقے کے مطابق صرف ایک طلاق دینے کی صورت میں آئندہ ملاپ کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ اور اس صورت میں شرمندگی اور پریشانی سے نجات مل سکتی ہے - جب کہ اس کے برعکس اگر کوئی غیر سنت طریقے کو اپناتے ہوئے اور اللہ کی نافرمانی اختیار کرتے ہوئے تین طلاق بیک وقت دے بیٹھتا ہے تو وہ گناہ ہونے کے باوجود واقع ہو جاتی ہیں - اب جو لوگ اس قسم کی صاف و صریح حدیثوں کے مقابلے میں محض عقلی احتمالات پیدا کر کے ان حدیثوں کو مشکوک کرنا چاہتے ہیں وہ دراصل حدیثوں کے مقابلے میں اپنے قیاس و عقل کو مقدم کرنا چاہتے ہیں۔ حالاں کہ اصول یہ ہے کہ قرآن اور حدیث کے "نصوص" کے مقابلے میں قیاس چل نہیں سکتا - لہٰذا اب غور کیا جائے کہ حدیثوں پر عمل کون کر رہا ہے اور عقلی احتمالات پیدا کر کے ان کی حجت میں شک و شبہ کون کر رہا ہے؟ اسی قسم کی چند مزید حدیثیں بھی ملاحظہ فرمائیے جو دو اور دو چار کی طرح بالکل واضح ہیں۔

بارھویں حدیث - مصنف عبدالرزاق میں مروی ہے کہ ایک شخص حضرت ابن مسعودؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ننانوے (۹۹) طلاقیں دے دی ہیں تو آپ نے فرمایا کہ تین سے تو وہ جدا ہو گئی۔ (کیونکہ تم کو صرف اتنا ہی اختیار ہے) اور بقیہ نافرمانی میں شمار ہوں گی (تفسیر مظہری ۱/۳۰۲)

تیرھویں حدیث - عبدالرزاق اور بیہقی نے روایت کیا ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دے ڈالیں - تو اس شخص کو حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا - اس نے کہا کہ میں تو مذاق کر رہا تھا - اس پر حضرت نے کوڑا بلند کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے لئے تو صرف تین ہی کافی تھیں (تفسیر

درمنثور، از علامہ سیوطی : ۱/ ۲۷۸)

چودھویں حدیث۔ سعید بن منصور اور بیہقی نے انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا ہے جو اپنی بیوی کو مباشرت سے پہلے تین طلاق دیدے تو اس پر تینوں پڑ گئیں۔ اور اب وہ دوسرے مرد سے نکاح کیے بغیر پہلے کے لیے حلال نہیں رہی اور آپ کے پاس جب ایسے کسی شخص کو لایا جاتا تو آپ اس کی خبر لیتے تھے۔ (درمنثور ۱/ ۲۷۸)

پندرھویں حدیث۔ بیہقی میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جس نے اپنی منکوحہ بیوی کو مباشرت کرنے سے پہلے ہی تین طلاقیں دے دیں تو اب دوسرا مرد کرنے تک وہ اس کے لئے حلال نہیں رہی (ایضاً)

سولھویں حدیث۔ بیہقی میں حضرت علیؓ سے ایک اور روایت ہے کہ ایک شخص آپ کے پاس آکر کہنے لگا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دے دی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تین نے تو اس کو تجھ پر حرام کر دیا اور بقیہ طلاقوں کو تو اپنی عورتوں پر تقسیم کر دے (ایضاً)

سترھویں حدیث۔ مصنف عبدالرزاق اور بیہقی میں مروی ہے کہ ایک شخص حضرت ابن مسعودؓ کے پاس آیا اور کہا کہ اس نے کل رات اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں۔ آپ نے پوچھا کیا بیک وقت؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے پوچھا کیا تم چاہتے ہو کہ وہ تم سے بائن (جدا) ہو جائے؟ اس نے کہا ہاں۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ بات ایسے ہی ہو گی جیسے تم نے کہا ہے۔

یعنی اب وہ بائن ہو چکی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ نے طلاق کا معاملہ کھول کر بیان کر دیا ہے (یعنی سورۂ طلاق میں)، تو اب جس نے اللہ کے حکم کے مطابق طلاق دی تو یہ صورت اللہ نے واضح کر دی ہے مگر (ہاں دیکھو) جو اس معاملے میں گڑبڑ کرے گا تو ہم بھی اس کی بلا کو اس کے سر باندھ دیں گے۔ اس لئے معاملات میں ایسا خلط ملط مت کرو جس کی وجہ سے ہم کسی مشکل میں پڑ جائیں۔ (درمنثور ۱/ ۲۷۸)

اٹھارہویں حدیث۔ بیہقی میں حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مباشرت سے پہلے تین طلاق والی کا حکم بھی وہی ہے جس کے ساتھ مباشرت کی جا چکی ہو۔ (ایضاً)

اس حدیث نے ابہام کو پوری طرح دور کر دیا۔ کہ بیک لفظ تین طلاق دینے سے جس طرح "مدخول بہا" (یعنی وہ عورت جس سے مباشرت کی چکی ہو) پر "طلاق مغلّظہ" (سخت طلاق) پڑ جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح "غیر مدخول بہا" (یعنی وہ بیوی جس کے ساتھ مباشرت نہ کی گئی ہو) پر بھی طلاق مغلظہ پڑ جاتی ہے۔ لیکن اگر غیر مدخول بہا کو الگ الگ لفظوں میں تین طلاقیں دی جائیں۔ مثلاً یوں کہا جائے۔ تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے۔ تو اس صورت میں صرف ایک ہی پڑے گی۔ کیونکہ دوسری بار طلاق کا لفظ استعمال کرنے سے

پہلے ہی وہ بائن ہو جاتی ہے یعنی وہ پہلی ہی طلاق سے اس کے نکاح سے آزاد ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس صورت میں بقیہ دو طلاقیں لغو قرار پائیں گی۔ (ملاحظہ ہو ہدایہ اولین صہ ۳۵۱)

انیسویں حدیث۔ امام مالک، امام شافعی، ابوداؤد اور بیہقی نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے مباشرت کرنے سے پہلے ہی تین طلاقیں دیدیں۔ پھر اسے خیال آیا کہ اسی سے دوبارہ نکاح کرے۔ تو وہ فتویٰ پوچھنے آیا۔ (راوی حدیث کہتے ہیں کہ) میں بھی اس کے ساتھ ہو گیا۔ اس نے حضرت ابوہریرہ رضی اور حضرت ابن عباس رضی سے اس بارے میں پوچھا۔ تو دونوں نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک تم اس عورت سے اس وقت تک نکاح (دوبارہ) نہیں کر سکتے جب تک کہ وہ دوسرا شوہر نہ کرے۔ اس نے عرض کیا کہ میری تو اس کے صرف ایک ہی طلاق تھی (کیونکہ وہ غیر مدخول بہا تھی) تو اس پر ابن عباس نے فرمایا کہ تم نے اپنے ہاتھ سے وہ چیز بھی گنوا دی ہے جو تمہارے لئے زائد تھی (در منثور ۱/۲۷۹)

دیکھئے اس حدیث میں اس مسئلے کی وضاحت کتنی صفائی کے ساتھ کر دی گئی ہے۔ کہ جس عورت کو ابھی ہاتھ نہ لگایا گیا ہو وہ اگرچہ ایک ہی طلاق سے بائن ہو سکتی تھی مگر اس کو تین طلاق دینے کا مطلب خواہ مخواہ اپنے اختیار کو ضائع کر لینا ٹھہرا۔ اور ایک مرتبہ جب یہ اختیار مرد کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو پھر وہ دوبارہ اسے واپس نہیں مل سکتا۔ لہٰذا اس کے استعمال میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

بیسویں حدیث۔ مالک، شافعی، ابوداؤد اور بیہقی روایت کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی آدمی نے اپنی بیوی کو مباشرت کرنے سے پہلے ہی تین طلاقیں دے دیں تو مسئلہ ابن عباس رضی اور ابوہریرہ رضی کے پاس آیا۔ ابن عباس نے ابوہریرہ سے کہا کہ آپ فتویٰ دیجئے کیونکہ آپ کے پاس ایک مشکل مسئلہ آیا ہے۔ ابوہریرہ نے فرمایا کہ اس مسئلے میں ایک طلاق تو عورت کو بائن بنا دیتی ہے اور تین طلاقیں اسے حرام کر دیتی ہیں جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے اور ابن عباس نے بھی اسی طرح فرمایا (در منثور ۱/۲۷۸)

ملاحظہ فرمائیے یہ حدیث اس مسئلے میں دو اور دو چار کی طرح کس قدر واضح ہے کہ جو عورت (غیر مدخول بہا) صرف ایک طلاق کا محل تھی۔ اور ایک ہی سے بائن ہو سکتی تھی۔ وہ تین طلاقوں سے بالکل اسی طرح حرام ہو جاتی ہے جس طرح مدخول بہا حرام ہو جاتی ہے۔ جب کہ اس کو بیک لفظ یا بیک مجلس تین طلاقیں دی جائیں ورنہ الگ الگ لفظوں میں یا الگ الگ مجلسوں میں طلاق دینے سے ان تینوں کے وقوع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اکیسویں حدیث۔ مالک، شافعی اور بیہقی روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی سے مسئلہ پوچھنے آیا۔ کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ہاتھ لگانے سے پہلے ہی تین طلاق دے دی تو میں نے اس سے کہا کہ دوشیزہ کی طلاق ایک ہے۔ اب آپ کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ تم کاٹنے والے ہو۔ ایک

طلاق اس کو بائن (جدا) کر دیتی ہے اور تین اسے حرام کر دیتی ہیں، جب تک کہ وہ دوسرا نکاح نہ کرلے۔ (درمنثور: ۱/۲۷۸)

بائیسویں حدیث۔ طبرانی اور بیہقی میں روایت ہے کہ عائشہ خثعمیہ امام حسنؓ بن علیؓ کی منکوحہ تھیں جب حضرت علی شہید کردیے گئے تو عائشہ نے حضرت حسن کو خلافت کی مبارک باد دی۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت علی تو شہید ہو گئے اور تم اس مصیبت پر خوش ہو رہی ہو۔ لہٰذا تم کو تین طلاق ہے تم چلی جاؤ۔ اس پر بیوی نے کپڑے سمیٹ لئے اور عدت میں بیٹھ گئیں۔ یہاں تک کہ ان کی عدت گذر گئی۔ پھر حضرت حسن نے ان کے پاس مہر کا بقیہ حصہ اور دس ہزار بطور تحفہ بھیجے۔ اس پر عائشہ نے کہا کہ ایک جدا ہونے والے محبوب کی جانب سے تو یہ ایک حقیر سامال ہے۔ یہ بات جب حضرت حسن تک پہنچی تو آپ رو دیے اور کہا کہ اگر میں اپنے نانا سے یا اپنے والد سے (جو میرے نانا سے روایت کرتے ہیں) نہ سنا ہوتا کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیتا ہے (خواہ طہروں میں دے رہا ہوں یا مبہم طور پر) تو وہ اس کے لئے حلال نہیں رہتی۔ جب تک کہ دوسرا نکاح نہ کرلے۔ تو میں ضرور اس سے رجوع کر لیتا۔ (درمنثور: ۱/۲۷۹)

اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ تین طلاقوں کے بعد بغیر حلالے کے رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔ امام حسن نے اس موقع پر اپنے والد حضرت علیؓ سے سنی ہوئی حدیث کا بھی حوالہ دیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

تیئیسویں حدیث۔ امام طحاوی نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عباسؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے دوشیزہ کی تین طلاقوں کے بارے میں فتویٰ پوچھا تو ان میں سے ہر ایک نے یہی جواب دیا کہ وہ تم پر حرام ہو چکی ہے (شرح معانی الآثار ۲/۳۷)

چوبیسویں حدیث۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ پھر اس عورت نے دوسرے سے نکاح کر لیا۔ مگر اس مباشرت کرنے سے پہلے ہی اس کو طلاق دے دی۔ تو کیا وہ پہلے شوہر کیلئے حلال ہو سکتی ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ پہلے شوہر کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ (یہ شخص) میاں اور بیوی ایک دوسرے سے لذت جماع حاصل نہ کریں (ابو داؤد اور نسائی، کتاب الطلاق)

صحابہ کرام کا اجماع اس قسم کی اور بھی حدیثیں موجود ہیں۔ ان تمام حدیثوں سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ دورِ رسالت اور دورِ صحابہ میں اس بارے میں کوئی اختلاف سرے سے موجود نہیں تھا کہ بیک وقت یا ایک ہی مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔ اور اس پر صحابہ کرام کے دور میں اجماع پایا جاتا ہے۔

چنانچہ سعودی عرب کے مشہور عالم محمد علی صابونی تحریر کرتے ہیں کہ اختلاف کرنے والوں میں صرف ایک تابعی اور بعض اہل ظاہر ہیں جن کی حیثیت صحابہ کرام کے اجماع کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے (تفسیر آیات الاحکام ۱/۳۳۵)

واضح رہے کہ صحابہ کرام میں فتویٰ دینے والے مشہور صحابہ یہی تھے جن کے چند فتاویٰ اوپر نقل کردہ حدیثوں میں مذکور ہیں۔ ائمہ اربعہ کے علاوہ تقریباً تمام محدثین اور محققین کا بھی یہی مسلک و مذہب ہے کہ بیک لفظ یا ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینے سے وہ واقع ہوجاتی ہیں۔

اختلاف کرنے والے | صدیوں تک جمہور علماء و فقہا کا یہی مذہب رہا ہے۔ مگر اس متفقہ مسلک سے اختلاف ساتویں صدی میں جاکر علامہ ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد علامہ ابن قیمؒ نے کیا ہے۔ یہ دونوں حضرات اگرچہ بہت بڑے امام اور فقیہ تھے اور ہم ان کی بہت زیادہ تکریم بھی کرتے ہیں (راقم سطور خاص کر فکری و کلامی مسائل میں ان دونوں حضرات سے بہت زیادہ متاثر ہے) مگر کوئی بھی بشر غلطی سے پاک قرار نہیں دیا جاسکتا۔ علامہ ابن قیم نے اس مسئلے میں کافی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ مگر باوجود اپنی جلالت علمی کے (بقول علامہ حافظ ابن حجرؒ) اس سلسلے میں (بنیادی) غلطی یہ کی ہے کہ نصوص کے مقابلے میں فاسد الاعتبار ہے۔ نیز ابن حجر نے مزید تحریر کیا ہے کہ ابن قیمؒ کے سامنے بعض حدیثیں موجود نہیں تھیں۔ (فتح الباری: ۹/۳۵۵ مطبوعہ ریاض)

بہرحال ان دونوں حضرات نے اس خاص مسئلے میں جو تاویلات کی ہیں ان کو بعد والے علماء نے پوری طرح رد کردیا ہے۔ اس اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ ان دونوں حضرات اور بعض خال خال اصحاب ظاہر مثلاً علامہ ابن حزم ظاہری اندلسی وغیرہ کو چھوڑ کر چودہ سو سال سے یہ پوری امت مسلمہ کا متفقہ مسئلہ ہے جس کو آسانی کے ساتھ رد نہیں کیا جاسکتا۔ مگر اب عصر جدید میں اس متفقہ مسئلے کو ایک نزاعی مسئلہ قرار دے کر فتنہ پیدا کرنے کی تحریکیں چل رہی ہیں۔ اور اس سلسلے میں مصر کے بعض متجددین پیش پیش دکھائی دیتے ہیں تفصیلی بحث کی اس وقت گنجائش نہیں ہے۔ لہٰذا اس موقعہ پر ایک اختلافی حدیث نقل کرکے اس کی خامیوں کی طرف اشارہ کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جو تین طلاقوں کو ایک قرار دینے والوں کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

ایک اختلافی حدیث اور اس کا جواب | مسلم، ابوداؤد، نسائی اور بیہقی میں طاؤس سے مروی ہے کہ ابوصہبا نے ابن عباسؓ سے پوچھا۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ عہد رسالت و ابوبکر رضؓ اور خلافت عمر رضؓ کے تین سالوں تک تین کو ایک قرار دیا جاتا تھا؟

ابن عباس نے کہا۔ ہاں! (تفسیر در منثور ۱/۲۷۹)

اس حدیث پر حسب ذیل حیثیتوں سے کلام کیا گیا ہے۔

۱۔ جمہور صحابہ و تابعین کی مسلسل اور مشہور روایات کے مقابلے میں یہ ایک شاذ روایت ہے اور کسی دوسری روایت سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ بلکہ دیگر تمام حدیثیں اس کے خلاف ہیں۔ لہذا یہ اجماع صحابہ کے مقابلے میں ناقابلِ التفات ہے۔

۲۔ یہ حدیث ابن عباس سے مروی ہے مگر خود حضرت ابن عباسؓ اس حدیث کو ناقابلِ عمل قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف فتویٰ دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ پچھلی حدیثوں سے بخوبی ظاہر ہو گیا۔ لہذا یہ حدیث قابلِ حجت نہیں رہی۔ بلکہ ساقط الاعتبار ٹھہرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب خود راوی نے اس حدیث پر عمل نہیں کیا بلکہ اس کی خلاف ورزی کی ہے تو اس کی کوئی قوی علت ان کے پاس ضرور موجود رہی ہو گی۔ اور پھر ایسی صورت میں جب کہ دیگر صحیح حدیثیں اور صحابہ کرام کا تعامل اس کے خلاف بھی ہو۔

۳۔ بڑے بڑے ائمہ اور محدثین نے اس روایت پر کلام کرتے ہوئے اسے ناقابلِ اعتبار بتایا ہے چنانچہ علامہ ابن عبد البر نے اس روایت کو ایک وہم قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس حدیث کی طرف فقہائے حجاز۔ فقہائے شام و عراق اور فقہائے مشرق و مغرب میں سے کسی نے بھی توجہ نہیں کی (تفسیر آیات الاحکام: ۱/۳۳۶)

۴۔ صحابہ کرام کے اجماع کو نظر انداز کرنا آسان نہیں ہے جن میں خود حضرت ابن عباس بھی شامل ہیں جنہوں نے اپنی ہی حدیث کو نظر انداز کر کے جمہور کے ساتھ اتفاق کر لیا ہے۔

۵۔ پھر طرفہ یہ کہ اس حدیث میں "تین کو ایک قرار دینے" کی جو بات کہی ہے اس کی نوعیت واضح نہیں ہے کہ آیا وہ بیک لفظ تین کہی جاتی تھیں (یعنی مجلس میں تین کہی جاتی تھیں) یا متفرق متفرق طور پر تین کہی جاتی تھیں۔ یا بطور تاکید کہی جاتی تھیں؟ مگر ہاں ایک دوسری روایت میں جو صرف ابو داؤد اور بیہقی میں انہی تابعی (طاؤس) سے مروی ہے کہ یہ بات اس منکوحہ کے بارے میں ہے جس کو ابھی ہاتھ نہ لگایا گیا ہو۔ (تفسیر در منثور: ۱/۲۷۹)

یعنی ایسی عورت سے جب کوئی یوں کہتا کہ "اَنْتِ طالِقٌ ثَلاَثاً" تو محض پہلے دو الفاظ (انت طالق) کے تلفظ کے ساتھ ہی اس پر طلاق واقع ہو جاتی اور "ثلاثاً" کا لفظ لغو قرار دیا جاتا۔ کیونکہ ایسی عورت پہلی طلاق کے ساتھ ہی بائن ہو جاتی ہے۔ (فتح الباری: ۹/۳۶۳)

حضرت عمرؓ پر ایک غلط الزام | اس حدیث کی اور بھی بہت سی تاویلیں کی گئی ہیں مگر اصولی اعتبار سے وہ صحیح نہیں معلوم ہوئیں۔ کیونکہ یہ روایت حقیقتاً شاذ اور دیگر روایات کے خلاف ہے اور اس

کی تاویل کی وجہ سے اس کو صحت و استناد کا درجہ مل جاتا ہے۔ بہر حال اسی حدیث میں (جو عجوبۂ روزگار ہے) یہ بھی مذکور ہے:-

"حضرت عمرؓ کے زمانے میں بکثرت اس قسم کے واقعات ہونے لگے۔ آپ نے دیکھا کہ جس معاملے میں لوگوں کو مہلت دی گئی تھی۔ اس میں وہ جلدی کر رہے ہیں تو کیوں نہ ہم اس کو ان پر نافذ کر دیں۔ پس انہوں نے اس کو ان پر نافذ کر دیا۔" (مسلم)

اس حدیث کو بنیاد بنا کر بعض لوگوں نے اس پر کافی شور مچایا ہے کہ حضرت عمرؓ کو خواہ وہ کتنے ہی بڑے صحابی اور خلیفہ کیوں نہ ہوں، شریعت میں مداخلت کرتے ہوئے ایک جائز چیز کو ناجائز قرار دینے کا حق نہیں ہو سکتا۔ اور بعض لوگوں نے حضرت عمرؓ کی طرف سے مدافعت کرتے ہوئے بہت کچھ لکھا ہے۔ مگر جیسا کہ عرض کیا گیا اصولی اعتبار سے جب یہ حدیث ہی سرے سے وہم و خیال پر مبنی ہے تو پھر اس کی تاویل کرنا اور حضرت عمرؓ کی طرف سے مدافعت کرنا بالکل غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ حضرت عمر جیسے متبع شریعت پر اس قسم کا الزام سرے سے غیر واقعی بلکہ باطل نظر آتا ہے۔ آپ کے بارے میں یہ تصور بھی محال اور مجروح فرسا ہے کہ آپ نے ایک غیر شرعی چیز کو ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے گلے میں باندھ دیا ہو۔ کتاب و سنت کے معاملے میں آپ کا تشدد اور آپ کا تفقہ اور دقیقہ سنجی مشہور و معروف ہے۔ مختلف روایات و واقعات مظہر ہیں کہ آپ کتاب و سنت کے فیصلوں سے ایک بال برابر ہٹنا بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔ اور اہم معاملات میں آپ صحابہ کرام اور اپنی مجلس شوریٰ سے مشورے کیا کرتے تھے جیسا کہ بخاری کی ایک حدیث کے مطابق آیت قرآنی (اہل اسلام کو اپنے معاملات میں باہم مشورہ کر لینا چاہئے) کے ذیل میں یہ تصریح ملتی ہے کہ خلفائے راشدین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مباح امور میں قابل اعتماد اہل علم سے مشورہ کر لیا کرتے تھے تاکہ آسان بات کو اختیار کر سکیں۔ پھر جب قرآن یا حدیث سے کوئی حکم مل جاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں اس سے تجاوز نہ کرتے تھے۔ (یعنی اس کے خلاف کسی کی نہ سنتے تھے)

اسی حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ کے اصحاب شوریٰ میں قرآن کے قاری یعنی اس کا علم رکھنے والے ہوا کرتے تھے اور مزید یہ کہ آپ قرآنی حکم کے سامنے بالکل مؤدب ہو جایا کرتے تھے (بخاری، کتاب الاعتصام)

حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے حضرت عمرؓ کے مشوروں کی چند مثالیں بھی دی ہیں۔ کہ کس طرح انہوں نے مختلف مسائل میں صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا۔ اس کے علاوہ موصوف نے بیہقی کی ایک روایت بھی نقل کی ہے جس کے مطابق آپ کے اور حضرت ابوبکرؓ کے طریقۂ کار پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ اس میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے جب کوئی نیا مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ کتاب اللہ

ہیں نظر ڈالتے۔ اگر اس میں اس مسئلے کا حل مل جاتا تو اسی کے مطابق فیصلہ فرما دیتے۔ مگر جب ان دونوں میں کوئی بات نہ ملتی تو اہلِ اسلام سے سنت کے بارے میں دریافت کرتے۔ پھر بھی اگر مسئلے کا حل نہ ملتا۔ تب علماء اور اہم لوگوں کو جمع کرکے ان سے مشورہ طلب فرماتے۔ اور حضرت عمرؓ بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔
(فتح الباری: ۱۳/ ۳۴۲)

اسی طرح بعض کتابوں میں تصریح ملتی ہے کہ آپ کتاب وسنت کے ساتھ ساتھ حضرت ابوبکرؓ کے فیصلوں کو بھی مدنظر رکھا کرتے تھے۔ لہٰذا ایسی صورت میں آپ کی ذاتِ گرامی پر یہ ایک لغو اور بےجا الزام ہے کہ آپ نے سنتِ رسولؐ اور حضرت ابوبکرؓ کے دور میں رائج شدہ قانونِ شریعت کو بدل ڈالا۔ اور محض اپنی رائے سے ایک نیا فیصلہ کر ڈالا۔ اور مزید حیرت انگیز بات یہ ہے کہ آپ کے اس اقدام پر کسی نے ٹوکا تک نہیں۔ بلکہ تمام صحابہ کرامؓ نے چپ چاپ آپ کی رائے کو مان لیا۔ میرے خیال میں یہ نہ صرف حضرت عمرؓ پر بلکہ تمام صحابہ کرامؓ پر ایک سنگین الزام ہے جس کو کوئی بھی سلیم الطبع شخص درست قرار نہیں دے سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ کتاب وسنت کے خلاف حضرت عمرؓ ایک نقطہ تک سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ ان کی خلاف ورزی تو بہت دور کی بات ہے۔ مثال کے طور پر فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیث کو دیکھئے جو مطلقہ ثلاثہ (بائنہ) کو نفقہ اور رہائش سے محروم کرنے والی تھی۔ مگر آپ نے محض اس بنا پر اس کو رد کر دیا۔ کہ وہ کتاب وسنت کے خلاف ہے۔ حالاں کہ کسی صحابی یا صحابیہ سے جھوٹ بات کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ جب کتاب وسنت کے بارے میں آپ کی احتیاط کا یہ عالم ہو تو پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے قرآن وحدیث اور خلیفۂ اول کے دور میں رائج قانون کی خلاف ورزی کی؟ ایک متبع شریعت پر یہ ایک بہتانِ عظیم ہے۔ اور پھر اس کو محض حضرت کی رائے یا ایک سیاسی فیصلہ کہنا مزید ستم ظریفی ہے۔ ایک خالص شرعی اور گھریلو مسئلے کا بھلا سیاست یا نظمِ حکومت سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ عجیب بات ہے کہ لوگ بلا سوچے سمجھے جو جی میں آتا ہے کہہ بیٹھتے ہیں۔ اگر بفرضِ محال یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ حضرت عمرؓ اور آپ کے ساتھیوں کا فیصلہ تھا تو پھر سوال یہ ہے کہ فلاں اور فلاں کے قول وعمل کے مقابلے میں حضرت عمرؓ اور آپ کے ساتھیوں کا قول وعمل قابلِ حجت کیوں نہیں بن سکتا؟ کیا دین وشریعت کے فہم میں کسی اور کا درجہ صحابہ کرامؓ سے بڑھا ہوا ہے؟ اتنی موٹی سی بات آخر لوگوں کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی؟

حاصل یہ کہ نہ تو حضرت عمرؓ نے اپنی طرف سے کوئی نیا حکم نافذ کیا اور نہ شریعت کے کسی حکم کو منسوخ کیا۔ بلکہ دورِ رسالت سے جو قانون نافذ تھا وہی آپ کے دور میں بھی جاری رہا اور اس کے بعد بھی اسی پر عمل کیا گیا (جیسا کہ پچھلے صفحات میں درج کردہ حدیثوں سے ظاہر ہوتا ہے۔) تمام صحابہ کرام اسی کے

قائل تھے۔ اور اسی پران کا عمل تھا۔ اور اسی پر وہ فتویٰ دیا کرتے تھے۔ لہذا انہیں اتنی ساری حدیثوں کے مقابلے میں ایک حدیث کی کوئی حیثیت نہیں۔ جو پورے معاملے کو مشتبہ بنا دیتی ہے۔ اور پھر اس کے شاذ ہونے کی بنا پر اس کے پہلے جزو (دورِ رسالت اور دورِ ابوبکر میں تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جاتا تھا) کو جس طرح پوری امت نے ناقابلِ عمل قرار دیتے ہوئے رد کر دیا ہے۔ اسی طرح اس کا دوسرا جزو (کہ حضرت عمر نے اپنے دور میں تین کو تین قرار دیا) بھی ناقابلِ التفات بلکہ ایک افسانہ معلوم ہوتا ہے۔ غرض یہ حدیث امت کے لئے ایک فتنہ بن گئی اور پتہ نہیں اس کی اصل حقیقت کیا ہے۔ مگر اس کو حدیث کے عجائبات میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ اسی وجہ سے امام نووی نے اس کو ایک مشکل ترین حدیث قرار دیا ہے (شرح مسلم)

اجماعِ امت | بہر حال اس شاذ حدیث کو نظر انداز کر کے جب ہم پورے ذخیرۂ حدیث پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ صحابہ کرام کے درمیان اس بارے میں سرے سے کوئی اختلاف ہی نہیں تھا کہ بیک وقت یا ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہوتی ہیں نہ کہ ایک) متفق ہے۔ اور خود حدیث شریف کی رو سے دینی امور میں "سوادِ اعظم" (امت کی اکثریت) کا اتباع واجب ہے۔

"میری امت گمراہی پر کبھی متفق نہیں ہو سکتی۔ لہذا جب تم امت میں اختلاف دیکھو تو سوادِ اعظم یعنی اکثریت کے ساتھ ہو جاؤ" (ابن ماجہ، ابواب الفتن)

بہت کم مسائل ایسے ہیں جن میں چاروں ائمہ (امام اعظم ابوحنیفہ۔ امام شافعی۔ امام مالک اور امام احمد بن حنبل) کسی مسئلے پر متفق نظر آتے ہوں۔ اور تمام فقہا و محدثین کے درمیان اتفاق تو بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔ مگر اللہ کی شان کہ طلاق کے مسئلے میں چاروں ائمہ اور تقریباً تمام محدثین متفق نظر آتے ہیں۔ لہذا اس متفقہ مسئلے سے اختلاف کرنا اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنانا ہے۔ اور پھر اس بارے میں تشدد پیدا کرتے ہوئے اس متفقہ مسلک پر چلنے والوں کے حق میں نازیبا الفاظ استعمال کرنا بڑی افسوسناک بات ہے جس سے ہم سب کو اور خصوصیت کے ساتھ اتباعِ سنت کا دعویٰ کرنے والوں کو قطعی احتراز کرنا چاہیئے۔

موجودہ فتنوں کے دور میں سنتِ نبوی اور صحابہ کرام کی اتباع ہی میں ہماری نجات ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہم سب کو سنتِ رسول ﷺ کا احترام کرنے اور اس پر نیک نیتی کے ساتھ چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ایک وضاحت | آخر میں ایک بات واضح کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بیک وقت تین طلاق دینا شرعاً ناجائز اور بہت بڑا گناہ ہے۔ اور جمہور علماء اس کی مذمت کرتے ہیں۔ مگر وہ ناجائز یا حرام ہونے کے باوجود تمام فقہا کے نزدیک قانوناً نافذ ہو جاتی ہے۔ یہ دو الگ الگ مسائل

ہیں۔ اور اسی میں لوگوں کو اشتباہ ہو جاتا ہے۔ اور اسی مسئلے میں اشتباہ پیدا کر کے عصر جدید کے بعض متجددین اور شر پسند لوگ علماء اور فقہاء پر خواہ مخواہ کیچڑ اچھالتے ہیں۔ گویا کہ تین طلاق دینے کا طریقہ اور قانون علماء نے اپنی طرف سے گھڑ کر نکال لیا ہے۔ اور وہ قرآن و حدیث کے خلاف بغاوت کر رہے ہیں۔ گویا کہ قرآن اور حدیث کو صحیح طور پر سمجھنے والے یہی متجدد لوگ ہیں۔ جن کی قابلیت کا یہ حال ہے کہ وہ محض اردو ترجموں کی مدد سے نہ صرف قرآن کی تفسیر بلکہ اجتہاد بھی کرنا چاہتے ہیں۔ غرض جیسا کہ اوپر پیش کردہ احادیث سے بخوبی واضح ہو گیا۔ تین طلاقوں کے وقوع پر تمام حدیثیں متفق ہیں۔ مگر ایسا کرنا شرعاً سخت گناہ اور شدید ناراضگی کا باعث ہے۔ اسی وجہ سے حدیث نمبر ا کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے۔ کیونکہ یہ عمل سنت طریقے کے مطابق نہیں تھا۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ سنت طریقے پر عمل کرتے ہوئے سخت مجبوری کی حالت میں صرف ایک ہی طلاق دیں۔ کیونکہ اس طرح وہ بعد میں پچھتانے سے بچ سکتے ہیں۔ یعنی اس صورت میں رجوع کا اختیار باقی رہتا ہے۔ اس کے برعکس تین طلاقیں تو رشتہ ازدواج کو پوری طرح کاٹ کر رکھ دیتی ہیں۔ جیسا کہ تمام حدیثیں اس پر دلالت کر رہی ہیں۔ یہی مسلک حق ہے۔ اور اس کے برعکس کہی جانے والی باتیں پورے ذخیرۂ حدیث کو رد کر دینے کے برابر ہیں۔

<u>حرف آخر</u> آج ہندوستان میں جو مخالف شریعت لہر چل رہی ہے اس کے مقابلے کا تقاضا ہے کہ ہم شریعت میں رخنے پیدا نہ کریں۔ اور صدیوں سے چلے آرہے متفقہ قانون کو بدلنے کی تحریک کر کے فرقہ پرستوں اور شریعت دشمنوں کے بازو مضبوط کرنے کی کوشش نہ کریں۔ ورنہ شریعت پر جب چھری چلے گی تو پھر نام نہاد مقلد اور غیر مقلد کوئی بھی باقی نہیں رہے گا۔

لہذا ہمیں اختلافی مسائل کو خواہ مخواہ الجھا کر آپس میں سر پھٹول کرنے سے سخت اجتناب کرنا چاہیے۔ بعض حدیثوں میں آتا ہے کہ دینی امور میں غلو کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ کیونکہ اسی چیز نے پچھلی امتوں کو ہلاک کر دیا (نسائی و ابن ماجہ) اور اسی معنی میں امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے باب مایکرہ من التعمق والتنازع فی العلم والغلو فی الدین والبدع اس کی رو سے کسی معاملے میں خواہ مخواہ تشدد اختیار کرنا، علمی امور میں فضول جھگڑنا اور دینی معاملات یا بدعتوں میں غلو اختیار کرنا یعنی حد سے بڑھ جانا سخت منع ہے۔

(بخاری، کتاب الاعتصام)